© rasailojaraid.com

معاہدۂ یہود علمی نقطۂ نظر سے

تکملۂ بحث

(از جناب شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن صاحب پروفیسر دہلی یونیورسٹی)

جنوری و فروری ۱۹۴۸ء کے برہان میں ناظرین میرا ایک مضمون ,, معاہدۂ یہود علمی نقطۂ نظر سے ،، کے عنوان سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مضمون کے متعلق مارچ، اپریل اور مئی کے برہان میں جناب مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی دوسری طول طویل تنقید شائع فرمائی تو میں نے اس تنقید کی تحقیق شروع کی ایک نمبر کا مواد بھی ادارۂ برہان کو پہنچا۔ جواب آیا۔ جواب آپ کا حق ہے لیکن اس ,, کہا ،، اور ,, کہتا ہوں ،، کے عرض وطول سے برہان کا دامنِ وسعت تنگ ہے۔ اچھا ہو کہ تحقیق مہمات پر اکتفا کیجئے اور اپنی بحث کے خاتمہ پر اپنی تحقیق کا آخری نتیجہ بھی لکھ دیجئے۔ بات معقول تھی اس لئے میں اپنی لکھی ہوئی تفصیل کو اختصار سے بدلتا ہوں اور "قال" "اقول" کے صفحات کو سطروں میں لانے کی کوشش کرتا ہوں

اس دفعہ بھی جناب مولوی صاحب نے اپنی دوسری تنقید کی ابتدا ایک توضیحی تمہید سے فرمائی ہے۔ پہلی دفعہ تمہید کی تحقیق ہم نے ارادۃً چھوڑ دی تھی۔ ہر دفعہ یہ مناسب نہیں اس دفعہ ضرورت بھی اسکی متقاضی ہے کہ اس تازہ تمہید سے بالکل اغماضِ نظر نہ کیا جائے۔ اس لئے اصل مسائل زیر بحث سے پہلے میں اس تمہید پر نظر ڈالتا ہوں۔

(۱) اس تمہید میں جناب مولوی صاحب نے جو طریقۂ اثبات مدعا اور استدلال کا اختیار فرمایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ دنیا جہان سے نرالا ہے[1] عام قاعدہ یہ ہے اور ہونا چاہئے کہ پہلے کوئی مسئلہ یا دعویٰ ہو۔ پھر اس کا
اس کے بعد حکم کی دلیل۔ لیکن رسالہ "متحدہ قومیت اور اسلام" کی حمایت میں جناب مولوی صاحب جس
کو مصنف رسالہ کا دعویٰ فرماتے ہیں وہ رسالہ میں خود جناب مولوی صاحب کے بیان اور حوالہ کے
مطابق بعد میں آتا ہے (یعنی ص ۶۹ - ۷۰ پر) اور اس حکم کے طریق تعمیل اور حکم کا استشہاد پہلے
(یعنی ص ۴۲ - ۴۴ پر) اس پر طرفہ یہ ہے کہ خود جن امور کو استشہادِ حکم اور طریقِ تعمیل حکم کہہ چکے
انھیں کو مقدمات حکم بھی فرماتے جاتے ہیں۔ دیکھئے برہان مارچ صفحہ ۱۷۳)

(۲) اس طرفہ پر طرہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اصل مسئلہ رسالہ "متحدہ قومیت و اسلام کا یہی" اجنبی
حکومت کے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ کرنا مذہبی نقطۂ نظر سے واجب ہے" حالانکہ رسالہ "متحدہ قومیت و اسلام"
کا نہ یہ موضوع ہے نہ اصل مسئلہ اُس کا اصل موضوع اور مسئلہ ہے۔ قیام متحدہ قومیت کا جواز بلکہ
وجوب جیسا کہ خود رسالہ کے نام اور اس کے بیانات ذیل سے ظاہر بلکہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱) دہلی کی تقریر کا اصل واقعہ اور قومیت متحدہ کا خبر دینا۔

(۲) الفاظ قرآنیہ اور کلمات حدیث کا حل صرف لغات عرب سے ہوگا۔

(۳) قرآن شریف سے قوم کے معنی کی تحقیق۔

(۴) لفظ اُمت پر بحث۔

(۵) قومیت کے متعلق معنوی ابحاث

(۶) اسلام نے پیروی کرنے والوں کیلئے وحدت ملی قائم کردی ہے،

(۷) متحدہ قومیت اور وطن سے تنفیر

یہ رسالہ کے اہم ترین ابتدائی ابواب ہیں اس کے علاوہ مصنف نے رسالہ کے پانچویں اور

[1] تحریر میں چونکہ اختصار زیادہ ہے ناظرین برہان بابت اپریل ۱۹۴۰ء پیش نظر رکھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یں صفحہ میں خود اس امر کی تصریح کردی ہے کہ رسالہ کا اصل موضوع متحدہ قومیت اور اس کا مشورہ
۔ ضمناً اور باتیں بھی آجائیں گی۔ لیکن جناب مولوی صاحب ان سب باتوں کے باوجود بھی فرماتے
ں کہ اصل مسئلہ ہے ،، اجنبی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ کرنا مذہبی نقطۂ نظر سے واجب ہے۔ ظاہر
ہ کہ جناب مولوی صاحب اصل مسئلہ کو اپنے کسی خاص پیش نظر مدعا کی وجہ سے بدل رہے ہیں۔

(۳) تمہید کے ان نمایاں خد و خال کی تصویر کے بعد اب آیئے جناب مولوی صاحب کی اس
ید کی طرف جو میرے ایک جملہ کے تحت میں وہ بکمالِ ہوشمندی لکھتے ہیں۔ میں نے لکھا تھا۔

،، زیر بحث نامۂ نبوی رسالہ متحدہ قومیت میں شرعی حکم کے طور پر استعمال ہوا ہے ،، میرے اس
ل کی تنقید جناب مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں۔

،، اس مسئلہ میں در اصل شرعی حکم یہ ہے کہ مسلم مفاد کے لئے جہاد اور صلح و معاہدہ دونوں
میں سے جو ضروری ہو وہ اختیار کرنا مذہبی فرض ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ و ان
جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ نیز صحیح احادیث اور صلح حدیبیہ کا اسوۂ حسنہ نص کا حکم رکھتے ہیں،،
اور صلح کی تائید میں امام شافعی کی کتاب الام سے تین حوالے نقل فرما کر اپنی طرف سے
گویا یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ جہاد و صلح دونوں فرض ہیں اور عند اللہ مساوی بھی،

(برہان۔ مارچ ص ۱۷۳-۱۷۴)

ناظرین ذرا انصاف کریں کہ اس تنقید کو میرے بیان سے کیا واسطہ ہے۔ جناب مولوی صاحب
ی از راہ کرم بتادیں کہ آپ کے اس مسئلہ میں جو نقل ہے اس کا ہے اس کا مشارٌ الیہ میری تحریر کا کونسا
مسئلہ ہے آپ کی تمہید کا کوئی مسئلہ اس اس کا مشارٌ الیہ ہے تو ہوا کرے۔ میرے کلام کی تنقید سے
اس کو کیا واسطہ۔ مگر مولوی صاحب کو خواہ مخواہ ایک پھندا صلح و معاہدہ کی بحث کا اپنے مدعائے خاص
کے لئے ڈالنا منظور تھا۔ بلا مناسبت بھی میرے کلام کی تنقید کے نام سے لکھ مارا۔ اور پھر ترجمہ بھی آیہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا وہ کیا کہ صلح و جنگ اور اگر (غیر مسلم) صلح و معاہدہ کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کام کے لئے جھک جاؤ
جس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر مسلم برسر پیکار ہوں یا نہوں تم سے صلح کرنے کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک
جاؤ۔ حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم خاص ہے صرف اُن نامسلموں کے بارہ میں جو پہلے سے آمادہ پیکار تھے سورۂ
انفال کو پڑھئے یہی بات سمجھ میں آئیگی۔ اس حکم خاص کی تعمیم بھی ہوگی تو یہی کہ جو نامسلم تمہارے اور تمہارے
اللہ کے دشمن تم سے لڑنے مرنے کو تیار ہوں اور پھر امن و آشتی کی طرف جھکیں تو تم بھی امن و آشتی
پر راضی ہو جاؤ یعنی جنحوا کی ضمیر سے مطلق غیر مسلم مراد نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس تقید و اطلاق سے غیر
مسلم کے مفہوم میں کس قدر تفاوت ہو جاتا ہے جناب مولوی صاحب نے جنحوا کی ضمیر کے مصداق کو
مطلق ٹھہرا کر اپنی طرف سے آیۃ میں یہ گنجائش پیدا کرلی ہے کہ غیر مسلم ابنائے وطن صلح چاہتے ہیں تو
مسلمانوں کو اُن سے صلح کرنا فرض ہے ان جنحوا للسلم فاجنح لها کا (جو حکم خدا ہے) یہی مدعا ہے
حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے (رہا یہ امر کہ کیا ابنائے وطن نامسلموں کے ساتھ جب تک کہ وہ نہ لڑتے ہوں
یا لڑنے پر آمادہ نہ ہوں صلح یا معاہدہ یا موادعۃ (امن و آشتی سے رہنا سہنا) اسلام میں جائز ہی نہیں؟ یہ
میرے نزدیک یقیناً جائز ہے لیکن نہ آیہ مذکورہ بالا کے حکم سے کما لا یخفیٰ

امام شافعی کی کتاب الام سے جناب مولوی صاحب نے درباب صلح تین عبارتیں نقل کی ہیں
اور تیسری عبارت کو استشہاد قرار دیا ہے لیکن وہ نہ دوسری عبارت (ص ۱۱۰ کتاب الام) سے
استشہاد ہو سکتی ہے (کیونکہ استشہاد اس سے پہلے (ص ۱۰۹ کتاب الام) آیا ہے) اور نہ پہلی
عبارت (ص ۱۱۰ کتاب الام) کا ذکر استشہاد سے پہلی کی عبارت (وقد کف رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عن قتال کثیر من اہل الاوثان بلا مہادنۃ اذ تناطت دورهم عنهم مثل بنی تمیم
وربیعۃ واسد وطیئ حتی کانوا هم الذین اسلموا) کو جناب مولوی صاحب نے صاف حذف کر دیا ہے

ف صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہ (مشرکین جو آمادہ جنگ ہیں) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مانا کہ جناب مولوی صاحب نے کتاب الام سے جو عبارت استشہاد کے نام سے نقل کی ہے وہ استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن وہ اپنی جگہ پر نہ استشہاد ہے نہ امام شافعی نے اُس کو استشہاد کے طریق پر استعمال کیا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے بہ تصرف بیجا اسے استشہاد ٹھہرالیا ہے کتاب الام سے باب المہادنتہ پڑھیے۔ تصرف بیجا کا راز کھل جائے گا مگر یہ خیال رہے کہ شہادت اور مشہود علیہ میں فصل نہیں ہوا کرتا اور نہ شہادت کے اوّل میں کوئی لفظ ایسا لاتے ہیں کہ معلوم ہو جائے یہ شہادت ہے۔

جہاد اور مہادنتہ بھی (خواہ وہ بمعاہدہ ہو یا بلا معاہدہ) دونوں ہم مرتبہ نہیں۔ جناب مولوی صاحب نے چاہا ہے کہ فہذا فرض اللہ علی المسلمین قتال الفریقین من المشرکین وان یہادنھم کی سند پر امام شافعی کی زبان سے جہاد اور مہادنتہ کو برابر کا فرض بنادیں تاکہ ان کا یہ مدعا حاصل ہو جائے کہ جہاد کی طاقت نہیں ہے تو مہادنتہ صلحی لازمی ہے معلوم ہوتا ہے اسی مدعا کے لئے تو جناب مولوی صاحب نے مہادنہ غیر صلحی کے متعلق امام شافعی کی وہ عبارت حذف فرمائی ہے جو وقد کف رسول اللہ سے شروع ہوتی ہے اور ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

جناب مولوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے کہ امام شافعی اور ابن قیم نے (برہان پرچہ ص ۱۷۵) عہد نامہ زیر بحث سے استناد کیا ہے۔ ان حضرات نے تو کہیں عہد نامہ یا ابن اسحٰق وابو عبید کی روایت کا نام نہیں لیا ہے یہ خود جناب مولوی صاحب کا فہم و قیاس ہے کہ وہ اسی نامہ سے استناد فرماتے چونکہ یہاں ضرورت صراحتُ دلیل کی ہے جو موجود نہیں اسی لئے وہ محل کلام ہے۔

ہمارے نزدیک وقوع عہد کی صحت اور متن عہد (عبارت معاہدہ) کی صحت بالکل دو الگ چیزیں ہیں متن کی صحت کا مدار ہوتا ہے صحت روایت پر اور اس کا اسناد کی سلامتی پر۔ اور یہاں وہی معرضِ بحث میں ہے۔ برخلاف اسکے وقوعِ عہد کی صحت کے لئے شہرت بھی کافی ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعیؒ کی جو عبارت جناب مولوی صاحب نے نقل فرمائی ہے۔ اُس سے وقوع عہد کی صحت ثابت ہو سکتی ہے نہ کہ زیر بحث عہد نامہ کی صحت۔ ابن قیم کی عبارت سے بھی۔ جو جناب مولوی صاحب کے نزدیک نسبتہً قوی الدلالت علی المطلوب ہوگی، یہ مطلب پورا نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے اوّل میں بھی تعالوا آیا ہے جس کے معنی ہیں لوگوں نے یا فقہا نے کہا یہی لوگ ابن قیم کا مستند ہیں نہ کہ یہ نامہ یا اس کی روایت۔ یہ تحقیق ہے، جناب مولوی صاحب کی اُس تحریر کی جو آپ نے صفحات میں پھیلا کر لکھی ہے اور اس میں امام شافعی، ابن قیم کے علاوہ ابن تیمیہ، وغیرہ کے نام لئے ہیں

(برہان نارتج ص ۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶)

اب قبل اس کے ہم ان نتائج (برہان ص ۷۵) تک پہونچیں جو جناب مولوی صاحب نے مذکورہ بالا اکابر اُمت کی تحریر سے نکالے ہیں جناب مولوی صاحب کی ایک اہم غلطی کا ذکر کر دینا مناسب مقام خیال کرتے ہیں۔

جناب مولوی صاحب نے امام شافعی کی جو دو عبارتیں (ص ۱۷۴) نقل فرمائی ہیں ان میں سے دوسری عبارت میں آیا ہے او خَلّةٍ بالمسلمین او بمن یلیھم منھم۔ اس میں سے آخر الذکر فقرہ کا جناب مولوی صاحب نے قطعاً ترجمہ ہی نہیں کیا ہے۔ اس کا نگاہ سے رہ جانا ممکن ہے۔ لیکن خَلّة بالفتح کو جسکے معنی ہیں رخنہ۔ کمزوری آپ نے خُلّةٍ بالضم ٹھرایا ہے جس کے معنی ہیں دوستی حالانکہ خُلّة بالضم اس مقام پر سراسر خلاف قرینہ ہے اولاً وہ لا یُکَلِّفُ اللہُ نفساً الا وسعھا کے تحت میں ہے۔ دوسرے یہی لفظ امام شافعی کے کتاب کے باب المھادنہ میں جو یقیناً مولوی صاحب نے پڑھا ہوگا اس طرح آیا ہے کہ اس کو کوئی خُلّہ بالضم پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اور پڑھ بھی لے تو عبارت کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ وھی ھذا

ملہ امام محمد رحمۃ اللہ سے جو روایت جناب مولوی صاحب نے مبسوط سے نقل فرمائی ہے اس کے مفاد سے ہمیں اتفاق ہے۔ اس لئے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اُسے ہم کسی اور جگہ لائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وذلك ان يلتحم قوم من المسلمين فيخافون ان يصطلموا الكثرة العدو وقلتهم دخلة فيهم فلا باس ان يعطوا فی تلك الحال شيئا من اموالهم مگر جناب مولوی صاحب ان تنبیہ کے بھی متنبہ نہ ہوئے اور دَخلة بالفتح کو دُخلة بالضم ٹھراکر ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ یا مسلمانوں کے ساتھ اُن (مشرکین) کے تعلقات دوستانہ ہوں توان تمام صورتوں میں اُن سے ترکِ جہاد جائز ہے۔ حالانکہ معنی امام شافعی کی عبارت کے یہ ہیں کہ جب مسلمان مشرکوں یا اُن کی کسی جماعت کے مقابلہ میں کمزور ہوں۔ سرزمین مشرکین دور ہو۔ یا اُن کا شمار بہت زیادہ ہو یا مسلمان مشرکوں کے بالمقابل کمزور ہوں یا ان سے قریب کے مسلمان (جن سے مدد کی اُمید ہو سکے) کمزور ہوں تو اس حالت میں جہاد و جنگ سے باز رہنا (جب تک یہ موانع دور ہوں) جائز ہے۔ کہاں یہ معنی اور کہاں جناب مولوی کا ترجمہ۔ سیاہ سفید اور زمین آسمان کا فرق ہے۔ مشرکوں کا من حیث القوم یا من حیث الجماعة مسلمانوں کا دوست ہونا۔ پھر ان کی دوستی کی بنا پر مسلمانوں کا ان پر جہاد نہ کرنا اور پھر یہ جہاد نہ کرنا شرعاً جائز ہو جانا، کیا واقعی اسی اسلام کی باتیں ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اب میں ان نتائج کو لیتا ہوں جو جناب مولوی صاحب نے اپنی تمہید و تقریب سے نکالے ہیں

(برہان ص ۱۷۵)

(۱) مفاد امت کو پیش نظر رکھنا واقعی امام یا قائم مقام امام کا فرض ہے اور وہ جہاد سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض ٹھرایا۔ لیکن کبھی کبھی مجبوری بھی پیش آسکتی ہے۔ ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا اس لئے قرآن سے تبنقہ اور احادیث سے بصراحت مہادنۃ کی اجازت دی ہے جو کبھی بصلح ہوتا ہے اور کبھی بغیر صلح وقد کف رسول اللہ عن قتال کثیر من اهل الاوثان، یہ ہے حقیقت شرعی لیکن جناب مولوی صاحب کا یہ فرمانا بطریق حصر صحیح نہیں کہ مفاد امت مسلمہ کبھی جہاد سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی صلح و معاہدہ سے اس لئے کہ تیسری صورت اور بھی ممکن ہے جیسے کہ ہم نے ابھی بیان کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) صلح حدیبیہ اور معاہدہ یہود دونوں کو جناب مولوی صاحب کا قابل استناد کہنا بھی درست نہیں حدیبیہ کے کئی واقعات کا قرآن میں ذکر آیا ہے اور احادیث صحیح میں بھی گویا صلح حدیبیہ ایک واقعہ ہے اس کی روایتیں بھی صحیح اور اسانید بھی متصل ہیں۔ برخلاف اس کے معاہدہ یہود ان تمام باتوں سے محروم ہے۔

صلح حدیبیہ کی عظمت، اُس کی روایات کی صحت کو دیکھئے اور پھر اُس لفظی ومعنوی اختلاف کو بھی جو اس کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاص عہدنامہ کے متن والفاظ میں بھی۔ اسی لئے وہ تنا بحد اتفاق مسلّم ہے اور باقی نامسلّم۔ بعض محدثین نے تو اس کے متن کو روایت ہی نہیں کیا۔ معتبر اسناد نہ پائی ہوگی، ابن اسحٰق کا سلسلہ روایت گم نہیں ہوا تھا پھر اس کی روایت سب نے کیوں نہیں لی۔ اسکی کتاب کو اس بارہ میں معتبر کیوں نہیں مانا۔ اسی لئے کہ اس کی اسناد کو قابل اعتماد نہیں جانا۔ معاہدہ یہود میں تو اسناد ہی منقطع ہے۔ اس کے متن میں بھی کلام کی گنجائش ہے پھر اس سے استناد کرنا۔ اور معظمات امور میں استناد کرنا اور وہ بھی محض الفاظ کے سہارے پر بھلا یہ کہاں تک حجت وسند ہو سکتا ہے جب کہ یہ مسلم ہے کہ احادیث کی روایت اکثریۃ بالمعنی ہے خصوصاً احادیث طوال کی بعض عہدناموں کی بابت راویوں نے لکھا ہے کہ یہ عہدنامہ ہم نے بچشم خود دیکھا۔ اس کے لئے یہ بھی کوئی نہیں کہتا۔

لیجئے جناب مولوی صاحب کے مضمون کی تقریب بھی یہاں ختم ہوئی اب وہ نتیجہ آتا ہے جس کو معقول ومدلّل ثابت کرنے کے لئے یہ مقدمات لائے گئے تھے۔ ورنہ میرے مضمون کو ہدنہ وصلح سے کیا واسطہ تھا۔ میں نے اس سے کب انکار کیا تھا۔ اور کس جگہ ان سے بحث کی تھی، کہ ان کی تنقید میں ان باتوں کی ضرورت ہوئی، اب ناظرین دیکھ لیں گے کہ یہ صلح ومعاہدہ کی باتیں جناب مولوی صاحب کیوں درمیان میں لائے۔ سُنئے اور ہمہ تن گوش وہوش ہو کر سنئے جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

"زیر بحث متحدہ قومیت بھی معاہدہ کی ایک قسم ہے"

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ میرے مضمون کی تنقید اول میں بلاضرورت تنقید معاہدہ کی بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔۔۔۔کیوں لائی گئی تھی۔

اچھا جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ زیر بحث متحدہ قومیت معاہدہ کی ایک قسم ہے ئی اسے مانے نہ مانے مجھے اس سے کیا۔ لیکن جناب مولوی صاحب مجھے اتنا بتا دیں کہ یہ زیر ث متحدہ قومیت کوئی قدیم چیز ہے یا نو تجویز۔ اگر قدیم ہے اور معاہدہ کی ایک قسم ہے تو فرمائیے کہ س متحدہ قومیت کا کون کون سی اکابر امت کی کتابوں میں مذکور ہے کس کس نے اس کو معاہدہ ی قسم مانا ہے اور اگر یہ آپ اور آپ کی ایک جماعت کی بنائی ہوئی چیز ہے تو پھر اکابر امت کی ابوں میں ہدنہ و معاہدہ کے ابواب چھاننے اور ان سے حوالہ دینے سے فائدہ، پہلے متحدہ قومیت معاہدہ کا مترادف و متواطی تو ثابت کیا ہوتا۔ کسی محارب یا غیر محارب قوم سے صلح کرنا چیزے دیگر ہے ور ان سے مل کر یا ان کو ملا کر متحدہ قوم اور قومیت بنانا چیزے دیگر۔ ایک احکام کا دوسرے پر ادق آنا آخر کیسے معقول ہو گیا۔ اور ہو سکتا ہے اور اگر فرمائیں کہ ہماری اور ہماری جماعت کی د متحدہ قومیت سے محارب یا غیر محارب قوم سے باہمی مصالحت اور معاہدات ہی ہے تو عرف مرد اشہر کو چھوڑ کر اس ایجاد کی ضرورت کیا پیش آئی اور اول ہی احکام مصالحت معاہدت ان کتابوں سے کیوں پیش نہیں کئے گئے جواب عند البحث پیش کئے جا رہے ہیں نیز مصالحت و معاہدت کے مقابلہ س متحدہ قومیت پر کیوں زور دیا جا رہا ہے جبکہ وہ دونوں ایک ہیں۔

اب میں پھر اصل بحث کی طرف آتا ہوں جس کو سیاق چاہتا ہے۔

چونکہ قومیت کا لفظ اب درمیان میں آگیا ہے ذرا اس لفظ اور اس کے معنی و مفہوم کو بھی دیکھ نا چاہئے کہا جاتا ہے کہ قوم کا لفظ عربی ہے اس کے معنی بھی لغات عربی سے متعین ہونے چاہئیں ر وہ بھی وہی ہوں جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں یا زمانہ قرآن و حدیث میں مستعمل رہے ہیں۔ آجکل عرف کی ہی نہیں کہ یہ عرف بعد کی پیداوار ہے۔ بات معقول نا قابل انکار ہے لیکن دیکھنا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ عرف وقت کا کیا ہے۔ عرف اس زمانہ میں قوم کا ایک عملی اور تنگ ہے جسے لفظی تعریف کی حیثیت سے برادری کہتے ہیں دوسرا علمی اور وسیع ہے۔ جس کا مصداق اس مجموعہ کو سمجھا جاتا ہے جس کا ایک نسب ہو، ایک زبان ہو، ایک وطن ہو، ایک مذہب ہو، ملتی جلتی معاشرت ہو، ان اوصاف میں جس قدر کسی جماعت میں کمی ہو گی اسی قدر اس کی قومیت کا رابطہ کمزور ہوتا جائے گا خواہ قوم از قسم اوّل ہو یا از قسم ثانی۔ متحدہ قومیت بنانے کے حامی کہتے ہیں کہ ہماری مراد قومیت سے یورپ کی ایجاد کردہ متحدہ قومیت نہیں ہے مگر وہ خود یہ نہیں بتاتے کہ یورپ کی ایجاد کردہ قومیت یا متحدہ قومیت کا مفہوم ان کے نزدیک کیا ہے۔ اگر ان کی نگاہ میں قومیت کی علمی تعریف جو ابھی ہم نے بیان کی ہے یورپ کی ایجاد کردہ تعریف ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعریف انگریزوں اور ان کی حکومت یا اس کے پروپیگنڈہ سے ہمارے ملک میں پیدا ہوئی ہے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ خود قرآن مجید میں اس قسم کے انسانی مجموعہ پر قوم کا اطلاق ہوا ہے ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وجاءھم رسول کریم قوم فرعون ایک نسب کی طرف منسوب تھی ایک ملک میں رہتی تھی۔ ایک زبان بولتی تھی، ایک مذہب رکھتی تھی، ایک ہی اس کی معاشرت بھی ہو گی، قوم فرعون کی ان صفات سے انکار کرنا یا قوم نوح کو ان اوصاف سے متصف نہ ماننا سراسر مکابرہ ہے ہزار برس ہوئے خلیفہ متوکل عباسی مرا تو یزید المہلبی نے اس کے مرثیہ میں ایک قصیدہ کہا۔ اس میں یہ دو شعر بھی ہے۔

قوم ھم الخدم والانساب تجمعھم
والمجد والدین والارحام والبلد

اذا قریش ارادو شد ملکھم
بغیر قحطان لم یبرح بہ اُود

قحطان عرب کی ایک قوم کا نام ہے اسے ہمارے یہاں کی اسی عصری علمی اصطلاح کے موافق قوم کہا گیا ہے صرف ایک صفت ہم زبانی مذکور نہیں ہے۔ مگر زبان قحطان کی ظاہر ہے کہ ایک تھی، شاعر قوم کی حقیقت بیان کرنے نہیں بیٹھا تھا کہ بات بات کا خیال رکھتا۔ تاہم وہ باتیں کہہ گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ن سے زمانہ ہزار برس میں بھی کچھ آگے نہیں سرک سکا۔

اچھا صاحب آپ نے دیکھا کہ ہم نے قوم کے موجودہ معنی (جس کو یورپ کی ایجاد اور
ریزوں کا پڑھایا ہوا سبق بتایا جاتا ہے) قرآن اور ہزار سالہ اشعار عرب سے پیش کر دیئے۔ اب
م جناب مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات سے دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں، کہ
پ حضرات اپنے خیال میں جب متحدہ قوم بنانے بیٹھے تو رسول اللہ کے زمانہ کی سی قوم بنانے بیٹھے
جس کی تعریف بھی بہ مصلحت ابھی تک مبہم اور گول ہی رکھی گئی ہے) اور قوم کے وہی معنی بھی رکھے
قرآن وحدیث میں آئے ہیں، یا اس زمانہ کے لوگ باہم بول چال میں استعمال کرتے تھے اب
پ کے ہاں قومیت کے معنی بھی اسی زمانہ کی بول چال کے موافق ہونگے اور ہونے چاہیئے۔ اسلئے
پ کو بھی (اُس زمانہ کی سی قوم بناتے وقت (ماہیت جیسے مولّد، فلسفیانہ جعلی الفاظ استعمال
رنے اور ان کے محدث معنی مراد لینے کا کوئی حق انصافاً نہیں ہے۔ اس لئے اب مجھے جناب
لوی صاحب اور ان کے ہم خیال کہیں دکھا دیں (قرآن وحدیث کا تو ذکر کیا ہے) کہ عربی زبان
ور عربی لغت میں کہیں قومیت کا لفظ ان معنی میں آیا ہے جن میں وہ استعمال کر رہے ہیں اور لفظ
متحدہ قومیت سے عوام وخواص اور متوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگ سمجھتے ہیں۔ عربی میں تو قومیت
کے معنی ہیں جسم کا خوبصورت گھات (سڈول پن) خاص کر اس عہد کی زبان میں جس کی رو سے
عربی الفاظ کے معنی متعین کئے جانے پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں تو قومیت یا متحدہ قومیت کو
معاہدہ ہی کے معنی میں دکھا دیں۔

اب میں اختصار در اختصار کی طرف آتا ہوں اور ناظرین آئیں ان مسائل کی طرف
جو میرے اور جناب مولوی صاحب کے درمیان زیر بحث چلے آتے ہیں۔

(برہان مارچ ۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸) سیرت کی روایت فی حد ذاتہا تو سیرت ہی کی روایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہلائیگی: تاہم میں نے زیرِ بحث روایت کو فقط سیرت کی روایت کہاں کہا ہے میں نے بلا فصل اس کے ساتھ ہی ابو عبید کی روایت لکھی ہے پھر فقط سیرت کی روایت کیونکر کہہ سکتا تھا ہاں ابو عبید کی روایت کی تنقید ضرور کی اور لکھا کہ اسناد اس کی بھی منقطع ہے روایت کو بھی نہ منقطع کہا نہ مرسل کہا اس کے متن کے بارہ میں بھی مجھے کلام تھا کتاب الاموال بیشک احکام کی کتاب ہے۔ حدیث کی تو نہیں اور کیا حدیث کی بھی سب کتابیں اور ہر کتاب کی سب حدیثیں آنکھیں بند کرکے مان لینے کے قابل ہیں، کتاب الاموال احکام کی کتاب ہو اسی لئے تو حدیث کے باب میں زیادہ معتبر نہیں، کتاب الاحکام میں کسی حدیث کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور قابل اعتبار و احتجاج ہو۔ زیرِ بحث روایت سے ابو عبید نے بھی احکام کا استخراج نہیں کیا ہے۔ روایت میں ابو عبید نے کلام بھی لغویا نہ کیا ہے نہ محدثانہ۔ اپنی روایت کی آپ ہی توثیق کرنا بھی قابل اعتنا نہیں ہو سکتا۔

جناب مولوی صاحب زیرِ بحث روایت کو زہری کی مراسیل میں مان کر تیسرے درجہ کی مرسل روایت فرماتے ہیں۔ اس ضعف بر ضعف کے ساتھ ساتھ ابراہیم الحربی کی رائے کا اس پر اور اضافہ فرمالیں۔

"وکان ابوعبید .... یحسن کل شیٔ الا الحدیث .... واضعف کتبہ کتاب الاموال۔ یجیئی الی باب فیہ ثلاثون حدیثا وخمسون اصلاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیجیئی بحدیث حدیثین یجمعھما من حدیث الشام ویتکلم فی الفاظھما۔

اور روایت زیرِ بحث میں ادخال الروایۃ فی الروایۃ ایک حد تک ظاہر ہے یہ بات بھی محدثین کے نزدیک ردِّ حدیث کا ایک سبب ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com